

طبی اخلاقیات

فقہی نقطہ نظر سے اعضاء کا انتقال اور بیوند کاری

مولانا مفتی محمد منور آفریدی

باڑہ خیبر ایجنسی

انسانی جسم خداوند کریم کا امانت ہے جس کی حفاظت و صیانت ہر انسان کا شرعی فریضہ ہے۔ اور اس جسم میں کسی قسم کا تصرف کرنا تغیر لخلق اللہ کے مترادف ہے۔ اسی بناء پر اگر کسی انسان کا کوئی عضو ناکارہ ہو چکا ہو اور اس عضو کے عمل کو آئندہ جاری رکھنے کیلئے کسی متبادل کی ضرورت ہو تو اس ضرورت کو پورا کرنا شرعاً جائز ہو گا یا ناجائز؟

اس حکم کی وضاحت کیلئے درج ذیل مقالہ نذر قارئین ہے۔ امید ہے حظ وافر حاصل کریں گے (ادارہ)

فہرست ذیلی عنوانات مقالہ

- | | |
|--------------------------------------|---|
| (1) آنکھوں کے بینک | (2) انسان اپنے بدن کے کسی عضو کا مالک نہیں |
| (3) گردوں کا انتقال | (4) اسلام میں خودکشی کی حرمت کی وجہ |
| (5) اعضاء کی سرجری | (6) غیر حیوانی اجزاء کی سرجری |
| (7) انسانی خون کا انتقال | (8) مرنے کے بعد دوسری زندگی کا سلسلہ شروع ہوتا ہے |
| (9) انسان کی زندگی ابدی ہے ازلی نہیں | (10) انسان کو اپنے اعضاء کا اتلاف کسی حال میں جائز نہیں |
| (11) ایک صحابی کا واقعہ | (12) انسانی اعضاء کے انتقال پر عدم جواز کے دلائل |
| (13) جواز کے چند دلائل | (14) مسئلہ مجوشہ میں غیر مذہب پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے؟ |
| (15) غیر مذہب پر فتویٰ کے چند نظائر | (16) قواعد فقہیہ |

آنکھوں کے بینک :-

آج کل آنکھوں کی بینک ہے اور لوگ وصیت کرتے ہیں کہ مرنے کے بعد ہماری آنکھ اس بینک کو دلائی جائے۔ بینک والے وہ آنکھ کسی آنکھ کے مریض یا کسی نابینا کو لگاتے ہیں۔ بسا اوقات مریض کو فائدہ ہوتا ہے تو انسان کی آنکھ سے اس طرح فائدہ اٹھانا اور انسان کا اپنی آنکھ کی وصیت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

انسان اپنے بدن کے کسی عضو کا مالک نہیں :-

زندگی میں یا موت کے بعد بطور ہبہ یا بیع کسی کو اپنی آنکھ دینا یا وصیت کرنا اور اس کا استعمال کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ کیونکہ آنکھ نکالنا مثلاً ہے اور مثلاً حرام ہے اور اس طریقہ میں انسانیت کی توہین بھی ہے۔ نفع سے انکار نہیں لیکن (قولہ تعالیٰ) و اثمہما اکبر من نفعہما کے اصول پر حرام ہوگا کہ نقصان نفع سے زیادہ ہے اور بدن انسان کے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔ اس میں ہر طرح کی تصرف کرنا جائز نہیں امانت میں خیانت حرام ہے۔ انسان اپنے بدن کے کسی عضو کا مالک نہیں ہے۔

حضور پاک ﷺ کا فرمان مبارک ہے ”کسر عظم الميت ککسر عظم الحی“ مرے ہوئے انسان کی ہڈی توڑنا زندہ آدمی کی ہڈی توڑنے کے مماثل ہے۔ (ابوداؤد ص ۲۱۱۰۲)

اور میت کے کسی جزو سے اسکے احترام کی وجہ سے انتفاع جائز نہیں ہے لا يجوز التدای بشی من الادمی الحی کذلک لا يجوز التدای بعظم الميت اکراما له قال علیہ السلام کسر عظم الميت ککسر عظم الحی (شرح سیر کبیر ص ۱۱۹)

بوقت ضرورت انسانی خون کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ یہ بھی انسانی اعضاء میں سے ہے۔

جواب: موت اور ہلاکت سے بچانے کیلئے انسان کا خون بذریعہ انجکشن لے کر انجکشن کے ذریعہ مریض کے جسم میں داخل کرنا بوقت ضرورت جائز ہے۔ ہاں آنکھ کو اس پر قیاس کرنا صحیح نہیں خون نکالنے میں وہ تکلیف نہیں ہے جو آنکھ نکالنے میں عموماً ہوتی ہے۔ نیز جسم سے خون نکالنا مثلاً نہیں ہے۔ اور نہ اس سے بدن میں کوئی ظاہری عیب پیدا ہوتا ہے و يجوز للعلیل شرب الدم والبول و اکل الميتة للتداوی اذا اخبره طبیب مسلم ان شفاءه فیہ ولم یجد من المباح ما یقوم مقامه وان قال الطبیب یتعجل شفاءک ففیہ وجہان (فتاویٰ عالمگیری ص ۱۱۲ ج ۳)

گردوں کا انتقال :-

آج کے دور میں جو گردوں کا مریض ہوتا ہے۔ ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ اگر کسی دوسرے شخص کا گردہ اسے لگایا جائے تو امید ہے کہ افاقہ ہوگا اور اسی کی طبیعت اچھی ہو جائے گی تو کیا شریعت مطہرہ میں کسی دوسرے شخص کا گردہ استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب :- انسان اپنے بدن یا کسی عضو کا مالک نہیں ہے کہ اس میں آزادانہ تصرف کر سکے۔ اسی بناء پر اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ اپنا کوئی عضو کسی دوسرے شخص کو قیمتی یا بلا قیمت دیدے اور اس کے بہت سے نظائر کتب فقہ میں ہیں۔ مضطر لم یجد میتة وخاف

الہلاک فقال له رجل اقطع يدي وكلها او قال اقطع مني قطعة فكلها لا يسعه ان يفعل ذلك ولا يصح امره به كما لا يسع للمضطر ان يقطع قطعة من لحم نفسه فياكل (فتاویٰ قاضی خان ص ۳۶۵) یعنی کوئی شخص حالت اضطرار میں ہے اور بھوک کی وجہ سے اس کو اپنی جان کی ہلاکت کا اندیشہ ہے اور مردار جانور تک نہیں ہے کہ اس کا گوشت کھا کر اپنی جان بچائے اسی حالت میں کسی نے پیش کش کی کہ تم میرا ہاتھ کاٹ کر کھا لو یا بھوکوں کہا کہ کسی جگہ سے گوشت کا ایک ٹکڑا کاٹ کر کھا لو تو اس شخص کو اس طرح گوشت یا ہاتھ کا کھانا جائز نہیں ہے۔ اور کسی شخص کو اس طرح پیش کش کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ کوئی اپنے ہاتھ یا اپنے بدن کے گوشت پوست کا مالک نہیں ہے جس طرح خود مضطر کیلئے جائز نہیں ہے کہ اپنے بدن میں سے گوشت کاٹ کر کھائے۔

اسلام میں خودکشی کی حرمت کی وجہ:-

یہی وجہ ہے کہ اسلام میں خودکشی حرام ہے اس لئے کہ کوئی شخص اپنے دوے (روح) کا مالک نہیں ہے کہ اسے ضائع کر دے لہذا کسی زندہ یا مردہ انسان کا گردہ اپریشن کر کے نکال کر دوسرے شخص کے جسم میں لگانا جائز نہیں ہے۔

غیر حیوانی اجزاء کی سرجری :-

اس دور میں سرجری نے غیر معمولی ترقی حاصل کر لی ہے اور دن بدن ترقی کرتی جا رہی ہے اس ترقی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک انسان کا اگر کوئی عضو بے کار ہو جائے تو وہ کسی دوسرے انسان کے اس عضو کو ڈاکٹر سے لگا کر اسے درست کر دیتے ہیں۔ یعنی کسی کی آنکھ کسی کا دل، کسی کا گردے، کسی کے پیچھے پڑے دوسرے کے جسم میں لگا کر اسے آنکھ والا، دل والا، پیچھے پڑے والا بنادیتے ہیں یہ جائز ہے یا ناجائز؟ اس میں ہم اولاً ممانعت کی دلائل پیش کریں گے تو عموماً اس میں یہ اعضاء ان لوگوں کے ہوتے ہیں جو مہیجے وقت اپنی رضامندی سے رضا کارانہ دیدیتے ہیں یا وہ لاوارث مرنے والوں کے اعضاء ہوتے ہیں مگر اب اعضاء کی تبدیلی کی جگہ پلاسٹک سرجری لیتی جا رہی ہے۔ جہاں تک پلاسٹک سرجری کا تعلق ہے اس کی حیثیت تو وہی ہے جو مصنوعی ناک کی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عرفہؓ جن کی ناک جنگ میں کٹ گئی تھی تو آپ ﷺ نے چاندی کی ناک کی اجازت دی اور جب اس سے فائدہ نہیں ہوا تو سونے کی ناک لگوانے کی اجازت دی عن عوفجة ابن اسعد قال اُصيب انفي يوم الكلاب في الجاهلية فاتخذت انفا من ورق فانتن عليّ فامرني رسول الله ﷺ ان اتخذ انفا من ذهب (ترمذی باب ما جاء في شد الاثنان بالذهب)

تو اس لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اسی طرح جانوروں اور حیوانوں کے اعضاء کسی انسان کو لگا دئے جائیں تو اس میں بھی کوئی شرعی قباحت نہیں ہے کیونکہ جانور کا گوشت کھانا اور خریدنا دونوں ناجائز ہے۔

انسانی اعضاء کا انتقال :-

لیکن انسان کے بارے میں فقہاء کرام نے جو کچھ لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صورت ناجائز ہے۔ اس کے جائز نہ ہونے کی سب سے بڑی اور قوی دلیل انسان کے اعضاء کی حرمت اور تکریم ہے۔ یعنی اگر انسان کا کوئی اندام یا عضو کٹ کر جسم سے علیحدہ ہو

جائے تو اس کو نہ فروخت کیا جاسکتا ہے اور نہ بیکار چیز کی طرح ادھر ادھر پھینک دیا جاتا ہے۔ اور نہ اس کو ایک بھوکا اور مضطر آدمی کھا سکتا ہے مضطر لم یجد میتة وخاف الهلاك فقال له رجل اقطع یدی وکلها او قال اقطع منی قطعة وکلها لا یسعه ان یفعل ذلک ولا یصح امره به کما لا یصح للمضطر ان یقطع قطعة من نفسه فی کل (جواب رفیعہ ص ۳۹ ج ۱ الفقہ الاسلامی)

انسانی خون کا انتقال :-

کسی انسان کا خون علاج کی غرض سے دوسرے انسان کے جسم میں داخل کرنا جبکہ اس کی شفاء یا بی اس پر بقول طبیب حاذق مسلم منحصر ہوگئی، مباح ہے یہ شبہ کہ انسان کے اجزاء کا استعمال ناجائز ہے اس لئے وارد نہ ہونا چاہئے کہ استعمال کی صورت کہ مستزہم ابانت ہو وہ ناجائز ہے اور جس میں ابانت نہ ہو تو ضرورت وہ استعمال جائز ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے موئے مبارک کو پانی میں دھو کر وہ پانی مریض پر چھڑکایا جاتا تھا حرمة الانتفاع باجزاء الأدمی للکرامة (هدایة) لم یصح الارضاع بعد موته لانه جزء آدمی والانتفاع به لغیر ضرورة حرام درمختار قال فی الفتح واهل الطب یشتون اللبن البنت ای الذی نزل بسبب بنت مرضعة نفعا لوجع العين واختلف المشائخ فیہ قیل لا یجوز وقیل یجوز اذا علم انه یزول به الرصد

درمختار کے عبارت سے معلوم ہوا کہ انسان کے اجزاء سے بغیر ضرورت کے انتفاع حرام ہے یعنی اگر ضرورت ہو تو مباح ہے اور فتح القدیر کی عبارت سے معلوم ہوا کہ لڑکی والی عورت کا دودھ کسی آنکھوں میں بیماری والے کو دیا جانا اور دواء کیلئے استعمال کرنا جبکہ ظن غالب یہ معلوم ہو کہ اس سے آنکھ کی بیماری جاتی رہے گی بعض مشائخ کے نزدیک جائز ہے حالانکہ دودھ بھی انسان کا جزو ہے۔ اور اس سے بغیر ضرورت انتفاع حرام ہے جیسا کہ درمختار کے عبارت سے ثابت ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ خون انسان کا جزو ہے اور اس سے بغیر ضرورت نفع اٹھانا منع اور حرام ہے۔ مگر علاج کیلئے اور مریض کی جان بچانے کیلئے ہو اور کوئی مسلمان جو طبیب حاذق ہو۔ یہ بتائے کہ اس مریض کی شفاء یا بی اب اس علاج میں منحصر ہے تو اس کے بدن میں انسان کا خون داخل کرنا مباح ہے و هذا لان الحرمة ساقطة عند الاستفتاء کحل الخمر والمیتة للعطشان والجائع ففی النهایة عن الذخیرہ یجوز ان علم ان فیہ شفاء ولم یعلم دواء آخر کذا فی الدر جواز کے قائلین کہتے ہیں کہ دھکی انسانیت کی خدمت کرنا بہت بڑا ثواب ہے اس لئے جائز ہونا چاہئے کہ کوئی آدمی فوت ہونے سے پہلے وصیت کر جائے کہ مرنے کے بعد میری آنکھیں کسی نابینا آدمی کو لگا دی جائیں کیونکہ زندہ کو تو آنکھوں کی ضرورت ہے جبکہ مرنے کے بعد وہ آنکھیں بیکار ہو جائیں گی کیوں نہ ان کو کسی دوسرے کام کے لئے وقف کر دیا جائے۔

بس یہ وہ نقطہ ہے جس کی بناء پر آنکھوں کا عطیہ دینے کا جواز پیش کیا جاتا ہے۔ اس کو بہت بڑا ثواب سمجھا جاتا ہے لیکن غور کرنے کے بعد معلوم ہوگا کہ یہ نقطہ غیر اسلامی ذہن کی پیداوار ہے بلکہ حیات بعد الموت مرنے کے بعد زندگی کے انکار پر مبنی ہونے کا خطرہ ہے اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد آدمی کی زندگی کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا بلکہ زندگی کا ایک مرحلہ طے ہونے کے بعد دوسرا مرحلہ شروع ہو جاتا ہے۔ مرنے کے بعد بھی آدمی زندہ ہے مگر اس کی زندگی کے آثار اس جہان میں ظاہر نہیں ہوتے۔ زندگی کا تیسرا مرحلہ حشر کے بعد شروع ہوگا اور یہ دائمی اور ابدی زندگی ہوگی۔

انسان کی زندگی ابدی ہے ازلی نہیں:-

امام غزالیؒ نے ایک موقع پر لکھا ہے کہ انسان کی زندگی ازلی نہیں لیکن ابدی ہے۔ جب ایک دفعہ پیدا ہو جائے پھر فنا نہیں ہوتی ہر انسان تین مرحلے طے کرتا ہے اول مرحلہ ماں محترمہ کے پیٹ میں دوسرا مرحلہ دنیا میں اور تیسرا مرحلہ عالم برزخ آخری مقام حشر و نشر۔ جب یہ بات طے ہوئی کہ مرنے کے بعد بھی زندگی کا سلسلہ تو باقی رہتا ہے مگر اس کی نوعیت بدل جاتی ہے تو اب اس پر غور کرنا چاہئے کہ کیا آدمی کو دیکھنے کی ضرورت صرف اسی دنیا میں ہے؟ یا کیا مرنے کے بعد کی زندگی میں اسے دیکھنے کی ضرورت نہیں؟ معمولی عقل و فہم کا آدمی بھی اس کا جواب یہی دے گا کہ اگر مرنے کے بعد کسی نوعیت کی زندگی ہے تو جس طرح زندگی کے اور لوازمات کی ضرورت ہے۔ اسی طرح پینائی کی بھی ضرورت ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آنکھوں کا عطیہ دینے کے مسئلہ میں اسلامی نقطہ نظر سے مرنے سے پہلے اور مرنے کے بعد حالت یکساں ہیں آنکھوں کا عطیہ دینے کی تجویز اسلامی ذہن کی پیداوار نہیں ہے بلکہ حیات بعد الموت کے انکار کا نظریہ اس کی بنیاد ہے۔

انسان کو اپنے عضو کا اختلاف کسی حال میں جائز نہیں:-

زندگی میں انسانوں کو اپنے وجود و اعضاء پر تصرف حاصل ہوتا ہے اسکے باوجود اس کا اپنے کسی عضو کو تلف کرنا نہ قانوناً جائز ہے نہ شرعاً جائز ہے نہ اخلاقاً۔ اسی طرح مرنے کے بعد اپنے کسی عضو کے تلف کرنے کی وصیت بھی نہ شرعاً جائز ہے نہ اخلاقاً جائز ہے عن عائشةؓ قالت ان رسول الله ﷺ قال كسر عظم الميت ككسره حيا (مالک ص ۱۲۲ بوداؤد ص ۱۳۵۸ ابن ماجہ ص ۱۱۸) عن عمرو بن حزم قال رأی النبی ﷺ متکنا علی قبر فقال لا تؤذ صاحب هذا القبر او لا تؤذ رواه احمد (مشکوٰۃ ص ۱۳۹ ج ۱) عن ابن مسعودؓ اذی المؤمن فی موته کاذاہ فی حیاته حاشیہ (مشکوٰۃ ص ۱۳۹ ج ۱)

ایک صحابی کا واقعہ:-

حدیث شریف میں ایک صحابیؓ کا لمبا واقعہ آتا ہے کہ وہ ہجرت کر کے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے کسی جہاد میں ان کا ہاتھ زخمی ہو گیا۔ شدت درد کی تاب نہ لا کر انہوں نے اپنا ہاتھ کاٹ لیا جس سے اس کی موت واقع ہو گئی۔ ان کے رفیق نے کچھ دنوں کے بعد ان کو خواب میں دیکھا کہ وہ جنت میں ٹہل رہے ہیں مگر ان کا ہاتھ کپڑے میں لپیٹا ہوا ہے جیسے زخمی ہوتا ہے ان سے حال احوال پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی برکت سے میری بخشش فرمادی اور ہاتھ کے بارے میں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو تم نے بگاڑا اس کو ہم ٹھیک نہیں کریں گے۔

ان احادیث سے واضح ہو جاتا ہے کہ میت کے کسی عضو کو کاٹنا ایسا ہی ہے جیسا کہ اس کی زندگی میں کاٹا جائے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو عضو آدمی نے خود کاٹ ڈالا ہو یا اس کے کاٹنے کی وصیت کی ہو وہ مرنے کے بعد بھی اسی طرح رہتا ہے یہ نہیں کہ اس کے جگہ اور عضو عطا کر دیا جائیگا۔ بے شک اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ وہ اس کو نئی آنکھیں عطا کر دے لیکن قانون یہی ہے اور چونکہ آنکھیں اللہ تعالیٰ کی

امانت ہے تو ہمیں اس امانت میں تصرف کا حق بھی باذن الہی ہی حاصل ہو سکتا ہے تو بحث یہ ہے کہ کیا اس تصرف کا حق شریعت نے دیا ہے؟ علمائے امت فقہاء کرام کی رائے یہ ہے کہ شرعاً اس تصرف کا ہمیں حق نہیں ہے۔

اکثر علمائے کرام کی رائے یہ ہے کہ انسانی عضو (خواہ مردہ کا ہو یا زندہ کا ہو) کی استعمال کسی دوسرے انسان کے جسم میں جائز نہیں ہے بلکہ شریعت مطہرہ نے اس کو ممنوع قرار دیا ہے ان کی ناجائز ہونے کی اسباب و علل و دلائل مندرجہ ذیل ہیں

(۱) مثلاً ہوتا:۔ کسی انسان کا عضو اس کے جسم سے جدا کرنا جس میں خود اسی انسان کی جسمانی منفعت نہ ہو اسے شریعت مطہرہ میں مثلاً کہا جاتا ہے جس کے حرام ہونے پر تمام امت کے اہل علم و فضل متفق ہیں یہ بھی ایک انسان کا مثلاً ہے۔ لہذا جائز نہیں ہے لقولہ علیہ السلام لا تغلوا ولا تغدوا ولا تمثلوا وفي المثلثة تغیر خلق اللہ تعالیٰ (شرح النقایہ ص ۳۳۳ ج ۲)

انسانی اجزاء دوسرے انسان کیلئے استعمال کرنا حرام ہے۔ جائز نہیں ہے اسلئے اکثر فقہاء کرام کے نزدیک مضطر کیلئے جائز نہیں ہے اور نہ مکہ کیلئے جائز ہے کہ دوسرے انسان کی اجزاء الگ کر کے استعمال کر سکے برابر ہے کہ صاحب اعضاء نے اجازت ہی دی ہو مضطر لم یجد میتة وخاف الهلاك فقال له رجل اقطع يدي وكلها او قال اقطع مني قطعة وكلها لا يسعه ان يفعل ذالك ولا يصح الامر به كما لا يسع للمضطر ان يقطع قطعة من نفسه فياكل (عائگیری ص ۲۱۹)

اسی طرح بعض فقہاء کرام نے تحریر فرمایا ہے کہ کسی زندہ انسان یا حیوان کے جسم سے اگر کوئی چیز الگ کر لی جائے تو وہ مردار کے حکم میں ہو جاتا ہے یعنی ناپاک ہو جاتا ہے مصنف ابن ابی شیبہ میں حدیث شریف ہے ما قطع من البهيمه وهى حية فهى ميتة ص ۷۸ ج ۲ اسی طرح جب حلت و حرمت کا اجتماع ہو تو زمرت کو ترجیح ہوتی ہے یہ قاعدہ مسلم ہے ما اجتمع محرم و مباح الاغلب المحرم (الاشباہ والنظائر ص ۱۱۰ ج ۱)

قد يتعارض في المسئلة وجهان وجه اباحه و وجه تحريم فلا يسع ما بين العبد و ما بين الله الا تركه (حجۃ اللہ بالذخیر ص ۱۱ ج ۲)

عن عائشةؓ ان رسول الله ﷺ قال ان كسر عظم الميت مثل كسر عظمه حيا. علامہ شوکانی اسی تفسیر میں لکھتے ہیں فیہ دلیل علی وجوب الرفق بالمیت فی غسلہ و تکفینہ و عملہ و غیر ذلک لان تشبيه كسر عظمه بكسر عظم الحي ان كان في اثم فلا شك في التحريم وان كان في التالم فكما يحرم تالم الحي يحرم تالم الميت (نیل الاوطار ص ۲۲ ج ۲)

عبارت مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ میت خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم محترم ہے پس اس کے اعضاء کاٹ کر زندہ کے جسم میں لگانے کی اجازت نہیں ہے اسی طرح انسانی اعضاء کی پوری دنیا میں جو تجارت ہو رہی ہے اور اہل سرمایہ فقراء کا جو استحصال کر رہے ہیں جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

مسئلہ کا دوسرا رخ جواز کے دلائل

ہمارے زمانے میں یہ بات ممکن اور ثابت ہو گئی ہے کہ انسان کے کسی عضو کے بیکار ہو جانے کی صورت میں دوسرا عضو اس کی جگہ فٹ کر دیا جائے ایسے عضو کی ایک صورت بالاتفاق جائز ہے اس کی مثال سابقہ اوراق میں بیان کی گئی ہے وہ یہ کہ حیوان کے علاوہ جمادات کی تیار کر لیا جائے۔

خود نبی کریم ﷺ کے مبارک زمانہ میں اس کی نظیر موجود ہے۔ ایک صحابی حضرت عرفہؓ کی ناک کٹ گئی تھی تو انہوں نے چاندی کی ناک بنوائی مگر اس میں بدبو پیدا ہو گئی۔ اس موقع پر حضور اکرم ﷺ نے ان کو سونے کی ناک بنوانے کا مشورہ دیا۔ فقہاء کرام نے بھی سونے کے دانت بنوانے اور سونے کے تار سے دانتوں کو باندھنے کی اجازت دی ہے عن عرفجة بن اسعد قال أصيب انفي يوم الكلاب في الجاهلية فاتخذت انفاً من ورق فانتن على فامرني رسول الله ﷺ أن اتخذ انفاً من ذهب (ترمذی ص ۱۷۳۰ ج ۱)

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی انسان کی بجائے اور حیوانات کا جزو استعمال کیا جائے تو بعض استعمال کی اجازت دیتے ہیں چنانچہ خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے اذا سقط السن لا يعيدها الى مكانها ويشدها لكن يأخذ سن شاة ذكية ويضعها مكانها وقال ابو يوسف يأخذ سن نفسه ولا يأخذ سن غيره (ص ۳۷۰ ج ۴)

اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے لا بأس بالتداوی بالعظم اذا كان عظم شاة او بقرة او بعير او فرس او غيره من الدواب الا عظم الخنزير والادمی فانہ یکره التداوی بهما فقد جوز التداوی بعظم ماسوی الخنزير والادمی من الحيوانات مطلقاً من غير فصل بينهما اذا كان الحيوان ذكياً او ميتاً وبينهما اذا كان العظم رطباً او يابساً (ص ۱۱۱ ج ۴)

اور یہ کہ الاشباہ والنظائر میں ہے وثمانية من الميت يجوز الانتفاع بها القرن والظلف والعصب والصوف والوبر والشعر والريش والعظم سواء كان مأكول اللحم او غيره (الاشباہ ص ۱۰۸ ج ۲)

شرح مہذب میں امام نوویؒ نے لکھا ہے اس سے بھی اس مسئلہ کی تائید ہوتی ہے ان اضطر ولم يجد شيئاً فهل يجوز له ان يقطع شيئاً من بدنه وياكله فيه وجهان قال ابو اسحاق يجوز لانه احياء نفس ببعض جزؤه فجاز كما يجوز ان يقطع عضواً اذا وقعت فيه الأكلة لحياء نفسه (ص ۲۸ ج ۹)

اصل اس مسئلہ میں ایک انسان کے اعضاء کی دوسرے انسان کے جسم میں پیوند کاری کا ہے۔ بعض حضرات نے اعضاء کی پیوند کاری کو ضرورۃً جائز قرار دیا ہے۔ ضرورت کی وجہ سے بعض اوقات ممنوع اشیاء بھی مباح ہو جاتی ہیں مثلاً سخت پیاس لگی تو اس وقت ہلاکت کا خطرہ ہو تو شراب بقدر ضرورت استعمال کرنا مباح ہے اس طرح مضطر کیلئے حرام گوشت مردار کی خیر لی کھانا بقدر ضرورت مباح ہے

اسی طرح کمرہ کو کلمہ کفر بشرطیکہ قلب مطمئن بالا ایمان ہو پڑھنا جائز ہے اور رخصت ہے اسی طرح اعضاء کی پیوند کاری بھی ضرورۃً جائز ہے
قاعدہ المشقة تجلب التيسير یعنی مشقت آسانی کو لاتی ہے۔

اس کے جواز کے دلائل یہ ہیں

آیات :- يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (سورة البقرہ) اللہ ارادہ کرتے ہیں تمہارے ساتھ آسانی کا اور
 نہیں ارادہ کرتے تمہارے ساتھ تنگی کا۔

وما جعل عليكم في الدين من حرج (سورة حج) اور نہیں رکھی تم پر دین میں کچھ تنگی۔

حدیث شریف میں ہے :- احب الدين الى الله تعالى الحنفية السمحة اللہ تعالیٰ کو دین کے وہ کام پسند ہیں جس میں
 اخلاص اور سہولت ہو۔

قاعدہ : الضرر يزال ضرر اور نقصان کو دور کیا جائے گا۔

اس قاعدے کی دلیل نبی ﷺ کی یہ حدیث ہے لا ضرر ولا ضرار (موطا امام مالک)

قاعدہ :- الضرورات تبيح المحظورات

جان لیوا مجبوریوں کے وقت اس قاعدے کے دلائل یہ ہیں من كفر بالله من بعد ايمانه الا من اكره وقلبه مطمئن
 بالايمان ولكن من شرع بالكفر صدرا فعليه غضب من الله (سورة النمل)

انما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما اهل لغير الله به فمن اضطر غير باغ ولا عاد فان الله
 غفور الرحيم (سورة النمل)

ضرورت کی تعریف یہ ہے کہ اگر ممنوع چیز کو استعمال نہ کرے تو ہلاک ہو جائے گا یا موت کے قریب پہنچ جائے گا یہی صورت
 اضطراری ہے اسی حالت میں حرام و ممنوع چیز کا استعمال چند شرائط کے ساتھ جائز ہے۔

اس قاعدہ کے تحت ایک شخص کے جسم میں کسی دوسرے انسان کا خون یا اعضاء داخل کرنا آتا ہے تو جائز ہے۔ یہی بات حرام ادویہ
 میں ہے، مثلاً ایک شخص کے گلے میں لقمہ اڑ گیا اور سانس بند ہو گیا سوائے شراب کے کوئی پینے کی حلال چیز نہیں ہے اگر لقمہ نیچے نہیں اترتا تو
 جان جانے کا خطرہ ہے تو شراب کے گھونٹ سے لقمہ نیچے اتارنا جائز ہے جو چیز ضرورت کی بناء پر جائز ہوتی ہے وہ بقدر ضرورت ہی جائز ہے
مسئلہ : طبیب بقدر حاجت ستر کی جگہ دیکھ سکتا ہے تو اعضاء بھی بقدر ضرورت لگائے جاسکتے ہیں۔

قاعدہ :- يتحمل الضرر الخاص لدفع ضرر العام ضرر عام کو رفع کرنے کی خاطر ضرر خاص یعنی خاص شخص کے ضرر کو
 برداشت کیا جائیگا۔ لو كان احدهما اعظم ضررا من الآخر فان الاشد يزال بالاخف اگر ایک کا ضرر بڑا ہو اور دوسرے کا کم ہو تو
 بڑے نقصان سے بچتے ہوئے چھوٹے نقصان کا تحمل کیا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت کی بناء پر اعضاء کی پیوند کاری جائز ہونی
 چاہئے بشرطیکہ اس کا مقصود کسی مریض کی جان بچانا یا کسی اہم جسمانی منفعت کو لوٹانا ہو جیسا کہ بنائی اور طبیب حاذق نے بتایا ہو کہ اس کی وجہ

سے صحت کا غالب گمان ہے۔ غیر مسلم کے اعضاء بھی مسلمان کے جسم میں لگائے جاسکتے ہیں۔

نوٹ: درجہ بالا مسئلے کے متعلق فقہی قواعد زیب قرطاس کئے جاتے ہیں جو مسئلہ مجوش میں مدد و معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔

قاعدة :- يختار اھون الشریین (قواعد الفقہ)

قاعدة :- لا ینکر تغیر الاحکام بتغیر الزمان (الاشاہ والنظار)

تغیر الاحکام بالضرورة والحاجة ان السبب الثالث لتغیر بعض الاحکام هو الضرورة والحاجة وماخذ اعتبارهما فی الشریعة قوله تعالى فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیه وقوله تعالى فمن اضطر فی مخمصة غیر متجانف لاثم فان الله غفور رحیم وقوله تعالى وقد فصل لكم ما حرم علیکم الا ما اضطررتم الیه وقوله تعالى ما جعل علیکم فی الدین من حرج وقوله تعالى لا یكلف الله نفسا الا وسعها وقوله تعالى فاتقوا الله ما استطعتم علی اساس هذه الایات اعتبرت الشریعة الضرورة والحاجة فی کثیر من الاحکام الفقہیة حتی ابیح بها بعض المحرمات القطعیة بقدر الضرورة اما الضرورة فقد عرفه بعض الفقهاء بما یتاتی وهی ان تطراً علی الانسان حالة من الخطر والمشقة الشدیده بحيث یخاف الهلاک او اذى بالنفس او بالعضو او بالعرض او بالعقل او بالمال وتوابعها ولا یمکن رفع ذلك الضرر الا بارتکاب فعل محرم او ترک واجب شرعی او تاخیر عن وقته ویجب لصدق هذا لتعریف امران

الاول ان تكون الضرورة قائمة لا منتظرا فیحصل فی الواقع خوف الهلاک التلف علی النفس او المال

والثانی ان لا یمکن لدفع الضرر وسیلة اخرى للمباحات ویغلب علی ظن المبتلی ان دفع الضرر

ممکن بارتکاب بعض المحرمات (اصول افتاء ص ۳۸ ج ۱)

اجاز الشافیة والحنابلة خلافا لابی حنیفة ومالك بیع حلیب المرأة المرزوع للحاجة الیه تحقیق

النفع به واجاز الحنابلة بیع اعضاء الانسان کالعمین وقطعة الجلد اذا کان ینتفع بها یرقع بها جسم الآخر

لضرورة الاحیاء وبناء علیه یجوز بیع الدم الان للعمليات الجراحیة للضرورة (الفقه الاسلامی بحواله المغنی ۴/۳۶۵)

مسئلہ مذکورہ میں غیر مذہب پرفتویٰ دیا جاسکتا ہے؟

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ امام شافعی، امام احمد بن حنبل کے نزدیک اعضاء انسانی اور خون کی خرید و فروخت برائے ضرورت

جائز ہے اور یہ مسلم حقیقت ہے کہ ضرورت و حاجت کی وجہ سے غیر مذہب پر بھی فتویٰ دیا جاسکتا ہے یہاں بھی ضرورت شدیدہ کی حالت

میں ان حضرات کی مذہب پرفتویٰ دینا چاہیے۔ بعض ان مقامات کا ذکر کروں گا جہاں غیر کے مذہب پرفتویٰ دیا جاسکتا ہے۔

غير مذہب پرفتوی کے چند نظائر:-

الحالة الاولى الضرورة والحاجة وذلك ان يكون في المذهب في مسألة المخصوصة حرج شديد لا يطاق او ضرورة واقعية لا محيص عنها فيجوز ان يعمل بمذهب آخر دفعا للحرج ورفعاً للضرورة وهذا كما افتى علماء الهند بمذهب المالكية في مسألة المفقود والعين والمتعنت كذا يدخل هذا النوع ما كثر فيه البلوى ومثاله ان المتأخرين من علماء الحنفية قد افتوا بمذهب الشافعي في مسألة الظفر في انه يجوز للظافر اخذ حقه من اى مال كان سواء كان من الجنس الواجب او من خلاف جنسه وذلك لتغير الناس في مداومة الحقوق (شامی ۵/۲۷۱)

الضرورات تبیح المحظورات ومن ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة واساعة اللقمة بالخمر والتلفظ بكلمة الكفر للاكراه وكذا اتلاف المال واخذ مال الممتنع من اداء الدين بغير اذنه ودفع الصائل ولو أدى الى قتله وزاد الشافعية على هذه القاعدة بشرط عدم نقصانها قالوا يخرج ما لو كان الميت نبيا فانه لا يحل اكله للمضطر لأن حرمة اعظم في نظر الشرع من حاجة المضطر (الاشباه والنظائر ص ۲۹ ج ۱)

قاعدة:- يتحمل الضرر الخاص لدفع الضرر العام (الاشباه والنظائر)

قاعدة:- يختار اهلون الشرين (مجله)

قاعدة:- ما حرم فعله حرم طلبه

قاعدة:- ما اجتمع محرم ومبيح الاغلب المحرم (الاشباه والنظائر)

قاعدة:- لا ينكر تغير الاحكام بتغير الازمان (مجله)

لا يبقى للانسان الملك على نفسه (شرح السير الكبير)

قاعدة:- لا ضرر ولا ضرار (مجله، الاشباه)

والله اعلم بالصواب

مصادر فرقہ اسلامی

مسئلہ اجتہاداور عصر حاضر

مولانا حافظ ثار احمد الحسنی ایک

فہرست ذیلی عنوانات مقالہ

- (1) اجتہاد کا لغوی معنی
- (2) اصطلاحی تعریف
- (3) کیا حضور ﷺ سے کسی مسئلے میں اجتہاد ثابت ہے؟
- (4) حافظ ابن قیم کا قرآن پاک سے اجتہاد کے استنباط میں انوکھا انداز
- (5) مجتہد اور غیر مجتہد کے درمیان فرق کی ایک عجیب مثال
- (6) اجتہاد کی ضرورت اور اہمیت
- (7) اجتہاد کی اقسام
- (8) اجتہاد و تقلید دونوں لازم و ملزوم ہیں
- (9) مجتہد مطلق اور مجتہد خاص کی تعریف
- (10) مجتہد کے لئے ضروری اوصاف
- (11) اجتہاد ہر کسی کا کام نہیں
- (12) موجودہ دور میں اجتہاد کا طریقہ کار